تصحیح

ترجمان القرآن کی گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون "معرکۂ حق و باطل" شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں قرآن مجید کی جو آیات حوالے کے طور پر درج کی گئی تھیں، ان میں متعدد اغلاط رہ گئی ہیں۔ ہم اس فروگذاشت پر ندامت کے ساتھ ذیل میں ان اغلاط کی تصحیح کر رہے ہیں

ادارہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۹	۱۳	فَمَنْ تَبِعَ	فَمَنِ اتَّبَعَ	۱۲۳	۸	یَرٰی	یُرٰی
۱۲۲	۱۸	یوحیٰ	یُوْحِیْ	۱۲۳	۸	یُجْزیٰ بِهٖ	یُجْزَا بہ
۱۲۴	۱۵	المَلَاءُ	المَلَأُ	۱۳۶	۱۱	اَتْرَفُوْا	اُتْرِفُوْا
۱۲۴	۱۷	لَنْظَنِّیکَ	لَنَظُنُّكَ	۱۳۹	۲	یُفْتِنُوْنَ	یُفْتَنُوْنَ
۱۲۴	۲۱	اُخْرِجُوْهُمْ	اَخْرِجُوْهُمْ	۱۳۹	۳	فَلَیَعْلَمُنَّ اللّٰهُ	فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ
۱۲۵	۵	المَلَاءُ	المَلَأُ	۱۳۹	۴	وَلَیَعْلَمُنَّ	وَلَیَعْلَمَنَّ
۱۲۵	۶	قَوْمِهٖ ... لَنُخْرِ	قومه لَنُخْرِجَنَّكَ	۱۳۹	۹	یُمَیِّزُ الْخَبِیْثُ	یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ
۱۲۵	۷	مَعَكَ ... مِن	معك من	۱۴۰	۱۲ و ۱۳	وَرَسُوْلُهٗ وَزَادَهُمْ	وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا
۱۲۹	۱۵	وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ	وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ			اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا	وَّتَسْلِیْمًا
۱۲۹	۱۹	الحَیٰوةِ	الحَیٰوةَ	۱۴۱	۱	(الصّٰفّٰت ۱۱۳)	(الصف ۱۱۳)
۱۲۳	۸	اِنَّ	اَنَّ				

منکرینِ حدیث کے مغالطے

ملک غلام علی صاحب

اللہ کے آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنی پوری تاریخ میں گزشتہ صدی تک دو فتنوں سے محفوظ رہی ہے۔ اوّلاً اس امّت کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی مدّعی نبوت کو اطمینان کے ساتھ اپنی جھوٹی نبوّت کے پرچار کے مواقع حاصل ہوئے ہوں اور اس کے نتیجے میں ایک مستقل جماعت وجود میں آگئی ہو جو بلا روک ٹوک تبلیغ و تلقین اور توالد و تناسل کے ذریعے سے اسی امت کی گود میں پلتی رہی ہو۔ ثانیاً اس امت نے اپنے اندر کسی ایسے گروہ کو پنپنے اور پروان چڑھنے کے مواقع عطا نہیں کیے جو اس موقف کو اختیار کرے کہ قرآن کے سوا کوئی دوسرا ماخذ دینی احکام و قوانین کا ایسا نہیں ہے جس کی پابندی مسلمان پر لازم ہو اور جس سے سرتابی کی گنجائش نہ ہو۔ بلاشبہ امتِ مسلمہ کے اندر متعدد جھوٹے نبی نمودار ہوئے لیکن ان میں سے ہر ایک کی دعوت کا اولین فرصت میں اس طرح قلع قمع کر دیا گیا کہ تاریخ کے صفحات میں وہ بس افسانۂ عبرت بن کر رہ گئی۔ اسی طرح ایک آدھ گروہ نے قول و فعلِ رسول کو حجتِ شرعی ماننے سے گریز کی کوشش کی، بالخصوص ایسی احادیث کو نشانۂ اعتراض بنایا جن سے ان کے مخصوص گمراہانہ سیاسی و کلامی نظریات پر زد پڑتی تھی، لیکن امت کی اکثریت کو ان لوگوں سے اعلان براءت کرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی اور اس کے بعد ملتِ اسلامیہ صدہا برس تک ایسے لوگوں کے وجود سے پاک رہی۔ درحقیقت اللہ نے امتِ محمدیہ کے سینے میں اپنے نبی کی ذات سے ایسی بے مثال محبت و والہیت پیدا کر دی ہے کہ اس کے اجتماعی ضمیر نے ہمیشہ اس طرح کے افراد کی ضلالت آمیز بے راہرویوں اور موشگافیوں کو قبولِ عام اور بقائے دوام عطا

کرنے سے انکار کیا ہے اور اس کے نام لیواؤں نے اپنے ہادی و رہبر صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہر نقشِ پا کو اپنے سفرِ حیات میں نشانِ راہ بناتے رکھا ہے ۔

لیکن ہماری شامتِ اعمال کا کرشمہ ہے کہ گزشتہ صدی میں ادعائے نبوت اور انکارِ سنت دونوں فتنے بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں جنم لے چکے ہیں اور اب یہ ہمارے درمیان پھل پھول رہے ہیں اور برگ و بار لا رہے ہیں۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو موخرالذکر فتنہ مقدم الذکر کی بہ نسبت زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے گروہ کی دعوت محض ایک شخصیت اور اس کے ایسے دعاوی کی جانب ہے جو ایک عام مسلمان کے لیے زیادہ دلفریب اور پُرکشش نہیں ہیں اور جن کی ضلالت بہت بڑی حد تک واضح ہے لیکن دوسرے گروہ کی دعوت بادی النظر میں بڑی معصوم اور جاذبِ نظر معلوم ہوتی ہے۔ ان کی پکار بظاہر کتاب اللہ اور صرف کتاب اللہ کی طرف ہے، اس لیے ایک مسلمان ان کے دامِ تزویر میں بآسانی گرفتار ہو سکتا ہے، بغیر اس کے کہ اُسے محسوس ہو کہ اس گروہ کا اصل مقصود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو آپس میں ٹکرانا ہے اور بالآخر خود قرآن کو اس کے لانے والے کی قولی و عملی تشریح سے الگ کر کے اپنی خودساختہ تاویلات کا کھلونا بنانا ہے

فتنۂ انکارِ حدیث کے علمبرداروں کو چونکہ رسول اور اسوۂ رسول سے امت کی وابستگی اور شیفتگی کا اچھی طرح علم ہے، اس لیے حدیث و سنت کا احترام دلوں سے محو کرنے اور اس کے خلاف عامۃ المسلمین میں استحقار و استخفاف کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ان حضرات نے حدیث کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات گھڑنے اور شبہات و وساوس پھیلانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر قابلِ اعتناء اعتراضات ایسے ہیں جن کا شافی جواب اہلِ علم دے چکے ہیں۔ اس کے باوجود ان کو معترضین مختلف پیرایوں میں بار بار دُہرا رہے ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان کا جواب بھی مختلف انداز میں بار بار دیا جاتا رہے اور اُن کے منطقی مغالطوں کے ہر پہلو کو واضح کیا جاتا رہے تاکہ ان کی حقیقت و

ماہیت سے مسلمان پوری طرح باخبر ہوں اور وہ سوچے سمجھے بغیر ایسے فتنوں کا شکار نہ ہو جایا کریں۔ اسی خیال کے پیشِ نظر یہاں ان حضرات کے چند بنیادی اعتراضات نقل کر کے ان کا مختصر جواب پیش کیا جا رہا ہے۔

میں اس وقت منکرینِ حدیث کے تین بڑے اعتراضات کو لیتا ہوں جنہیں وہ بڑے شد و مد اور تکرار سے پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ اگر حدیث کا دین میں کوئی مقام ہوتا اور دینی معاملات میں اسے ایک دائمی اور بالاتر سند اور حجت کی حیثیت حاصل ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی اہتمام سے ہر حدیث کو لکھوالیا کرتے، جس اہتمام سے آپ قرآن کی ہر آیت کو لکھوا لیتے تھے۔ جس شے کو قلمبند کرا کے دوسروں تک پہنچانے کا باقاعدہ التزام نہیں کیا گیا، اُسے ہمیشہ کے لیے ایک واجب الاتباع قانون کا درجہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر حدیث بھی قرآن کی طرح مأخذِ دین ہے تو پھر حدیث کا کوئی ایسا کامل اور جامع دفتر موجود ہونا چاہیے جو پورے ذخیرۂ حدیث پر حاوی ہو اور جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ کوئی حدیث اس میں شامل ہونے سے نہیں رہ گئی ہے، ورنہ ماخذِ دین کے غیر مکمل اور نا تمام ہونے کی صورت میں دین و ایمان کا ناقص و نا تمام ہونا لازم آتا ہے۔

تیسرا اعتراض ان حضرات کا یہ ہے کہ حدیث کے مجموعے جو ہمارے ہاں متداول ہیں ان کی بہت سی احادیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔ بعض احادیث ضعیف اور بعض موضوع ہیں۔ حالانکہ قرآن کے بارے میں اس طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کی کوئی آیت ضعیف یا موضوع نہیں کہی جا سکتی۔ اس لحاظ سے گویا حدیث کا مواد صرف غیر مکمل ہی نہیں بلکہ تحریف سے بھی پاک نہیں ہے، حالانکہ جو شے مأخذِ ہدایت اور حجتِ دین ہو، اس کا خالص اور بے آمیز ہونا ضروری ہے۔

اِن اعتراضات کی بنیاد پر منکرینِ حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ مشیتِ ایزدی چونکہ اس امر کی مقتضی تھی کہ قرآن ہی دین کے معاملے میں حجت و سند ہو، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسے اپنی نگرانی میں مکمل طور پر لکھوا لیا اور اللہ نے اسے ہر طرح کی تنقیص و تحریف سے پاک رکھا۔
بخلاف اس کے حدیث کو ماخذ دین بنانا چونکہ مصلحتِ ربانی کا تقاضا نہ تھا، اس لیے اللہ اور اس
کے رسول نے اس کی محافظت کا کوئی خاص اہتمام نہ فرمایا۔

یہ سارے اعتراضات جو اوپر گنوائے گئے ہیں، چند در چند مغالطہ آفرینیوں و ابلہ فریبیوں
کا مجموعہ ہیں، جن کی حقیقت تامل و تجزیہ کے بعد بآسانی واضح ہو سکتی ہے۔ ان میں سے پہلے
اعتراض کی وساطت سے مخاطب کو جس غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آج
کل کے زمانے میں جس طرح حکمران اور قانون ساز بالعموم اس امر کے عادی اور مکلف ہیں کہ وہ
اپنے احکام و قوانین کو لکھ کر یا چھاپ کر شائع کریں، اسی طرح شاید اللہ اور اس کے انبیاء بھی
اس تکلف کے محتاج ہیں کہ وہ اپنے احکام کو مستند اور قابلِ نفاذ بنانے کے لیے انہیں باقاعدہ
ضابطۂ تحریر میں لائیں، بالخصوص جن احکام کو نسلاً بعد نسلٍ واجب الاتباع بنانا مطلوب ہو
انہیں تو ضرور ہی ایک گزٹ میں درج کیا جانا چاہیے ورنہ دنیا میں ان کا اعتبار کیسے قائم ہو سکے گا۔

یہ خیال اور نظریہ ہر حیثیت سے باطل، لغو اور مہمل ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہوتا تو اللہ
تعالیٰ نسل انسانی کو زمین میں پیدا کرنے کے بعد اُسے سب سے پہلے لکھنا سکھاتا اور پھر ہر نبی
پر یا تو لکھے لکھائے احکام و ہدایات نازل فرماتا یا کم از کم ان پر لازم کر دیتا کہ وہ نزولِ وحی
کے بعد فوراً اسے قیدِ تحریر میں لے آیا کریں۔ لیکن خالقِ کائنات کی جانب سے اس طرح کے
ازلی انتظام کیے جانے کا کوئی عقلی یا نقلی ثبوت موجود نہیں ہے۔ قرآن مجید اس امر کی کہیں
صراحت نہیں کرتا کہ ہر نبی اور اس کی امت کے لوگ ہمیشہ سے فنِ کتابت سے آشنا تھے،
ہر منزّل من اللہ ہدایت کو لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے اور اسی شکل میں دوسروں تک منتقل کیا کرتے
تھے۔ قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے کسی نبی کی کتاب یا صحیفے کا ذکر نہیں
ملتا اور حضرت ابراہیم کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح یا اس سے کچھ زائد شمار کیا جاتا ہے۔ قرآن کے
علاوہ دوسری شے جو منکرینِ حدیث کے نزدیک قابلِ استناد ہو سکتی ہے وہ تاریخی آثار و

انکشافات ہیں۔ ان سے بھی اس امر کی تصدیق نہیں ہو سکی کہ انسان ابتدائے آفرینش ہی سے نوشت وخواند پر قادر ہو گیا تھا۔ اب تک کی اثری تحقیقات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حروفِ تہجی سے ملتی جلتی علامات کے ذریعے سے مطالب و معانی کے اظہار کا بالکل ابتدائی طریقہ بھی چار ہزار سال پہلے کے انسان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وحی الٰہی کے تحفظ و استناد کا ناگزیر وسیلہ اس کی کتابت ہے، تو جب انسان اس فن سے آشنا ہی نہ تھا تو کیا اس وقت انبیاء اور ان کی امتوں کے پاس احکامِ الٰہی کے محفوظ رہنے اور دوسروں تک منتقل ہونے کی کوئی قابلِ اعتماد صورت ہی نہ تھی؟

پھر یہ بات بھی بالکل قرینِ قیاس ہے کہ ایک زمانے میں ایک قوم یا چند قومیں لکھنا پڑھنا سیکھ گئی ہوں اور تمدنی روابط کی دشواری کے باعث دوسری قومیں اس وقت تک یا اس کے مدتوں بعد تک اس سے عاری رہی ہوں۔ قرآن مجید اس کی تصریح کرتا ہے کہ ہر قوم میں ہادی اور ہر امت میں رسول بھیجے گئے۔ تو کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ دنیا کے ایک حصے میں جہاں لوگ لکھے پڑھے تھے اور جنہوں نے وحی ربانی کو تحریراً منضبط کر لیا، ان پر اور ان کی نسلوں پر تو حجت تمام ہو گئی، لیکن دنیا کے دوسرے حصے میں جہاں سارے لوگ اَن پڑھ تھے یا جہاں کے رسول اور ان کے اوّلین صحابہ اُمّی تھے اور وہ وحی کو صفحۂ قرطاس پر منتقل نہ کر سکے، ان قوموں اور ان کی آئندہ نسلوں پر رسول کی آمد کے باوجود اللہ کی جانب سے حجت قائم نہ ہو سکی؟

مسئلے کے اس پہلو پر غور کرنے کے بعد یہ تسلیم کر لینا ناگزیر ہو جاتا ہے کہ حدیثِ رسول ہی نہیں، بلکہ کلام اللہ کے مُوجبِ حجت و استناد اور لائقِ اتباع ہونے کے لیے بھی اس کا مکتوب ہونا شرط لازم نہیں ہے۔ بلکہ رسول کی نگرانی میں ان کے لکھے یا نہ لکھے جانے کا انحصار عملی وقتوں یا سہولتوں پر اور ان تاریخی و تمدنی حالات پر ہے جن میں ایک نبی یا رسول مبعوث ہوتا ہے۔ اگر حالات ان دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کی کتابت کے حق میں موافق نہ ہوں تو عدمِ کتابت سے کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی جب تک وحی کے سفینوں میں محفوظ کرنے کا امکان نہ ہو، اللہ اسے

سینوں میں محفوظ کرنے کا انتظام کر دیتا ہے۔ آخر قرآن کی وحی بھی تحریری تو نہیں بلکہ زبانی ہی نازل ہوتی تھی اور فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازبر ہو جاتی تھی۔ پھر آنحضورؐ اسے یاد ہی سے املا کراتے تھے اور کتابت سے پہلے اور کتابت کے بعد وہ حافظے میں محفوظ رہتی تھی۔

اب دوسرے اعتراض کو لیجیے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حدیث کا ذخیرہ نامکمل ہے، اس لیے اگر اسے دینی تعلیمات کا مأخذ قرار دیا جائے تو اس سے دین کی عدم تکمیل لازم آتی ہے۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث و سنت کا موجودہ مدوّن ذخیرہ جس شکل میں ہمارے پاس موجود ہے، کوئی صاحبِ علم و بصیرت اگر اس پورے ذخیرے کو جذبۂ عقیدت کے ساتھ نہ سہی، محض کھلے دل اور انصاف کی نظر سے مطالعہ کرے، تو وہ اس کے ناقص و ناتمام ہونے کی شکایت کرنے کے بجائے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ دنیا میں کسی تاریخی شخصیت کے حالات اور اقوال و افعال اتنی باریک بینی، جزرسی، جامعیت اور صحت کے ساتھ جمع اور مرتب نہیں کیے جاسکے ہیں اور نہ کیے جاسکتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ، تابعین اور محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے سے متعلق اتنی وافر مقدار میں معلومات یکجا کر دی ہیں کہ انسان انھیں ناکافی سمجھنے کے بجائے اس بات پر حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ اتنا کثیر مواد کیونکر فراہم کیا گیا ہوگا۔ ان بزرگوں نے ایک ایک حدیث معلوم کرنے یا صرف اس کی تصدیق و توثیق کرنے کی غرض سے سیکڑوں میل کے سفر کیے ہیں، اپنی پوری عمریں اسی کام میں کھپا دی ہیں اور مرتے وقت بھی بعض ایسی روایات کو بیان کر دیا ہے، جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ شاید یہ پہلے بیان نہ کی جاسکی ہوں اور ان کو لوگوں تک پہنچائے بغیر دنیا سے رخصت ہو جانا موجبِ گناہ ہو۔ اس صورتِ حال میں مشکل ہی سے یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ سنتِ نبوی کا کوئی جز ایسا بھی ہوگا جس کا احاطہ کتبِ حدیث میں نہیں کیا جاسکا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی قول یا عمل روایت ہونے سے رہ بھی گیا ہو تو اس سے بحیثیت مجموعی دین میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ اللہ کسی متنفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا اور اعمال کی بنا نیت

پر ہے ۔ اگر ہم سنت کو ماخذِ دین سمجھنے کے باوجود اس کا کوئی حصہ قصداً ضائع یا نظر انداز کر دیں تو بلاشبہ یہ فعل ہمارے دین و ایمان کے منافی ہوگا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد یا عمل اگر اتفاقاً مروی ہونے سے رہ گیا ہو، تو اس سے ہمارے دین میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ بشرطیکہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس سے بھی ہم یہ فرضی بہانہ کر کے دستبردار نہ ہو جائیں کہ یہ نامکمل ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے مزید واضح کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے، اس کا کوئی حصہ نہ تلف ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔ لیکن کتبِ سابقہ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ ان میں سے متعدد کتابیں یا ان کے بعض حصّے گم ہو گئے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل اور ان کی کتبِ مقدسہ کی جو تاریخ اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے وہ بھی صاف طور پر بتاتی ہے کہ بارہا کتبِ سماوی کے اجزا حاملینِ کتاب کی غفلت، کفار کی یلغار یا حوادثِ روزگار کے باعث صفحۂ ہستی سے بالکل محو ہو گئے۔ یہاں پھر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس یہی ادھوری تعلیمات رہ گئی تھیں اور اس آفت کے بعد جن امتوں میں کوئی نیا نبی نہیں آیا تھا جو نئی کتاب لائے یا وحی کے مطابق سابق کتاب کی تعلیمات کی تجدید و تکمیل کرے، ان امتوں کے ہدایت پانے کی آخر کیا سبیل تھی؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس زمانے کی دستبرد سے محفوظ جو کچھ بھی کتاب کا بقیہ (نصیباً من الکتاب) موجود تھا، وہ اسی کے اتباع پر مامور تھے اور یہی ان کے لیے ذریعۂ ہدایت و وسیلۂ نجات تھا۔ اگر انہوں نے اخلاص کے ساتھ اسی کی پیروی میں کوئی کوتاہی نہیں کی، تو ان کے دین و ایمان میں کوئی نقص یا کمی واقع نہیں ہوئی۔

یہاں یہ امر مزید قابلِ ذکر ہے کہ قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں۔ ان کی تعلیمات صرف گم ہی نہیں ہوئیں، بلکہ ان میں تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت، اور فقہ وغیرہ کا جابجا اور وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا۔ جس زبان میں وہ کتابیں نازل ہوئیں اور لکھی گئیں، اس کے نوشتے مٹ گئے اور بعض اوقات صرف ترجمہ اور ترجمہ در ترجمہ رہ گیا۔ اس طرح یہ کتابیں نہ صرف نامکمل بلکہ قطعاً محرّف ہو کر رہ گئیں اور ان کے ماننے والوں کے پاس ان کی تصحیح کا کوئی ذریعہ بھی نہ رہا۔ یہی

صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے عین قبل اہلِ کتاب جس توراۃ اور انجیل کی پیروی کر رہے تھے ان میں قرآن کے بیان اور اہلِ کتاب کے اپنے اعتراف کے بموجب ایسی ہی مایوس کن حد تک تحریف کی جا چکی تھی، حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ کے لیے یہ مسئلہ لاینحل ہو گیا کہ اگر توراۃ و انجیل خدا کا کلام ہے جو حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی زندگی میں اُن پر نازل ہوا تھا تو ان میں آخر حضرت موسیٰؑ کے وفات پانے اور حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دیئے جانے کا واقعہ کیسے مذکور ہو گیا؟ لیکن کسی شخص کو اس سے مجالِ انکار نہیں ہے کہ بعثتِ محمدیؐ اور نزولِ قرآن سے پہلے یہی کتابیں ان لوگوں کے لیے ماخذِ دین اور مرجعِ ہدایت تھیں، اور اس وقت ان کا ماخذِ شریعت اور سرچشمۂ قانون ہونا محض اس استدلال کی بنا پر ناقابلِ تسلیم نہ تھا کہ ان میں کلامِ الٰہی، قولِ رسول، اور فقہی اجتہادات ہر چیز گڈمڈ ہے۔ ہم مسلمانوں کو تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر بجا لانا چاہیے کہ ہمارے ہاں ایسی مخدوش اور تشویش انگیز صورت اللہ کے فضل سے پیدا نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ، فقہ ہر شے بالکل الگ الگ اصل حالت میں محفوظ ہے۔

منکرینِ حدیث کو احادیثِ رسول اور سنتِ محمدیہ کے خلاف جو اندھا بہرا تعصب لاحق ہے، اُسے تھوڑی دیر کے لیے اگر وہ بالائے طاق رکھ دیں اور مندرجہ بالا حقائق پر غور کریں تو انہیں اپنے تیسرے اور آخری اعتراض کا جواب بھی انہی میں مل سکتا ہے۔ لیکن میں اس ضمن میں چند گزارشات مزید پیش کیے دیتا ہوں۔ بلاشبہ حدیث کے موجودہ مجموعوں میں مختلف اقسام کی احادیث درج ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان کے مابین امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ جس شخص کو حدیث اور فنِ حدیث سے تھوڑی بہت واقفیت ہے، وہ یہ جانتا ہے کہ محدثین نے صحیح اور قابلِ اعتماد احادیث کا بہت بڑا حصہ ضعاف و موضوعات سے بالکل جدا کر دیا ہے اور موضوعات کی تو کتابیں بھی علیحدہ مرتب کر دی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حدیث کی نقد و جرح کے وہ تمام اصول، قوانین اور قواعد بھی بیان فرما دیئے ہیں جن سے کام لے کر انہوں نے احادیث کو جانچا ہے۔ اس فنی تحقیق کی مثال دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی